AL-HAYAT RESEARCH JOURNAL

AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore

Category Y

ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

Volume 2 Issue 3 (April-June 2025)

مغربی ثقافت پر اقبال کی تنقید: روحانیت، خودی اور تہذیبی شناخت کے تناظر میں

Allama Iqbal and Western Thought: A Critical Perspective on Modernity and Muslim Identity

Shumaila Ali
M.Phil Scholar, Institute of Islamic Studies and Shariah, MY University, Islamabad

Dr. Bushra Furqan
Associate Professor, Institute of Islamic Studies and Shariah, MY University, Islamabad

Abstract

Allama Muhammad Iqbal, a towering intellectual, poet, and philosopher of the Indian subcontinent, critically engaged with the philosophical, social, and spiritual underpinnings of Western culture. While he acknowledged the West's advancements in science, politics, and democratic thought, he simultaneously critiqued its spiritual void, materialistic worldview, and the erosion of moral and communal values through excessive individualism. Iqbal's response to Western modernity was not a wholesale rejection but a nuanced and principled critique grounded in Islamic metaphysics, spirituality, and ethics. This study analyzes Iqbal's engagement with Western paradigms in the broader context of colonial modernity, identity crisis, and the Muslim world's search for a spiritually rooted and culturally authentic modernity. In an era of increasing globalization and ideological hegemony of the West, Iqbal's vision offers a counter-narrative centered on the revival of selfhood (khudi), moral integrity, and divine consciousness. Drawing upon Iqbal's poetry, philosophical works, and public lectures, the paper situates his critique within both historical and contemporary frameworks, illustrating its continued relevance to modern cultural, intellectual, and civilizational discourses. The study also delineates the aspects of Western culture that Iqbal deemed intellectually enriching, while identifying the dimensions he saw as detrimental to Muslim identity, spiritual autonomy, and ethical well-being.

Keywords: Iqbal, Western culture, spiritual critique, khudi (selfhood), Muslim identity

تمہید

علامہ محمد اقبال کے افکار نہ صرف ملت اسلامیہ کے فکری، اخلاقی اور تہذیبی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں بلکہ وہ انسان کے مقصدِ حیات، خودی کی تعمیر، اور روحانی ارتقاء کی بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب، اخلاق اور ثقافت کسی بھی قوم کی تہذیبی شناخت کے بنیادی ستون ہیں، جو انسانی رویوں، طرزِ زندگی اور اجتماعی نظم کو تشکیل دیتے ہیں۔ اقبال نے اسلامی اور مشرقی ثقافت کو انسانیت دوست، باوقار اور روحانیت پر مبنی نظامِ زندگی کی اساس قرار دیا، جبکہ مغربی ثقافت کو عارضی، مادہ پرست اور روحانی زوال کا شکار تمدن سمجھا۔ اقبال کی تنقید محض انکار پر مبنی نہیں بلکہ ایک بامعنی اور متوازن تجزیہ ہے، جو اسلامی تہذیب کے اصولوں پر قائم ہے۔ انہوں نے مغرب کی سائنسی و فکری ترقی کو تسلیم کیا، لیکن اس میں روحانیت، اخلاق اور خداپرستی کی کمی کو مہلک قرار دیا۔ اقبال کے نزدیک مغربی تہذیب کی اندھی تقلید مسلمان معاشروں کے لیے فکری اور روحانی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ ان کی فکر عصر حاضر میں مادہ پرستی، تہذیبی بحران، اور شناختی زوال کے مقابل ایک متبادل وژن فراہم کرتی ہے، جو خودی، اخلاقی بیداری، اور روحانی وابستگی پر مبنی ہے۔

موضوع کا تعارف

مغربی ثقافت سے مراد وہ ثقافت ہے جس کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب مشرقی یورپ پر ترکوں نے قبضہ کیا ہوا تھا اور یونانی اور لاطینی علوم کے ماہر وہاں سے نکل کر مغربی یورپ میں جا بسے تھے۔ یورپ جو اس وقت تک جہالت کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔ علماء کے اثر سے اور ہسپانیہ پر عیسائیوں کے قبضہ کے بعد مسلمانوں کے علوم کے باعث ایک نئی قوت سے جاگا۔ یہی وہ دور ہے جب یورپ میں سائنسی ترقی کا اغاز ہوا نئی ایجادات ہوئیں۔ اس کے باعث نہ صرف یورپ کی پسماندگی اور جہالت کا خاتمہ ہوا بلکہ یورپی اقوام نے نئی منڈیاں بھی تلاش کیں اور ان کی حریصانہ نظریں ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر تھیں۔ انہوں نے یہاں کے بیشتر ممالک پر قبضہ کر کے اپنی ثقافت کو رواج دیا اور اس کی ابتداء آزاد خیالی اور عقلی تفکر سے کی۔ جس نے سائنسی ایجادات کی گود میں آنکھ کھولی

CC BY

۔سائنسی ایجادات اور مشینوں کی ترقی نے اس ثقافت کو اتنی طاقت بخش دی تھی کہ محکوم اقوام کی نظروں کو اس نے اپنی چکاچوند سے حیران کر دیا اور وہ صدیوں تک اس کے اثر سے باہر نہ نکل سکے۔بیشتر مسلم ممالک کو یورپ نے اپنا غلام بنالیا اور برصغیر پر قبضہ کر کے یہاں کے مسلمانوں کو ان کی شاندار ثقافت سے بد ظن کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔حکیم الامت نے اپنے کلام میں جابجا مغربی ثقافت کی خامیوں پر نکتہ چینی کی ہے۔اور مسلم معاشرے کو اس کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ابھی تک آدمی صید زبوں شہر یاری ہے — قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی — یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو — ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا — جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے[1]

اقبال نے مغربی ثقافت کے منفی پہلوؤں پر تنقید کی ہے اس لیے یہ کہنا کہ اقبال کو مغربی تہذیب میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا کلام اقبال سے سطحی واقفیت کا نتیجہ ہے۔اقبال نے صرف ان پہلوؤں کو تنقید کا نشانہ بنایا جنہیں وہ مسلم معاشرے کے لیے مضر سمجھتے تھے ورنہ جہاں تک اچھے پہلوؤں کا تعلق ہے اقبال اس سے کبھی منحرف نہیں ہوئے بلکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے عقلی اور ادراکی گہوارے کو جھلانے کی خدمت مغرب نے ہی انجام دی ہے۔

ضرورت واہمیت

ڈاکٹر محمد اقبال بیسویں صدی کے اُن مفکرین میں سے ہیں جنہوں نے مغربی ثقافت کو نہ صرف گہرائی سے سمجھا بلکہ اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں پر تنقیدی نظر ڈالی۔اقبال نے مغرب کے ثقافتی اقدار، فلسفہ، سیاست، معاشرت، اور روحانیت کا گہرا مطالعہ کیا اور مسلم دنیا کو ایک فکری بیداری کا پیغام دیا۔عصرِ حاضر میں جب مغربی دنیا پر غالب ہو چکی ہے، فکرِ اقبال کی معنویت اور بھی زیادہ اہم ہو گئی ہے۔اقبال نے مغربی ثقافت کی بنیاد کو مادّہ پرستی، عقل پرستی اور روحانیت سے دوری پر قائم پایا۔اُن کے نزدیک مغرب نے سائنس اور عقل کو ترقی تو دی، مگر روحانی اور اخلاقی اقدار کو نظر انداز کیا۔مغرب کی ترقی انسان کو مشین کا پرزہ بنانے تک محدود ہو گئی۔

اقبال نے کہا کہ مغرب کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے "خودی" کو کچل دیا، اور فرد کو اجتماعی نظام کا ایک بے روح جزو بنا دیا۔اقبال تنقید کے باوجود مغرب کی بعض خوبیوں کو سراہتے بھی ہیں، جیسے: علم و تحقیق کا فروغ، قانون کی بالادستی، تنظیم اور عملیت پسندی، اجتماعی شعور اور وقت کی قدر۔اقبال کا مقصد مغرب کو رد کرنا نہیں بلکہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک توازن قائم کرنا تھا۔وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مغرب کی علمی و عملی ترقی سے فائدہ اٹھائیں مگر اپنی روحانی شناخت نہ کھوئیں۔آج کا دور گلوبلائزیشن، ٹیکنالوجی اور فکری آزادی کا دور ہے، جہاں مغربی افکار دنیا بھر پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔اقبال کی فکر آج بھی ہمیں رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ ہم مغرب کے مثبت پہلو اپنائیں، مگر اپنی روحانی بنیادوں اور تہذیبی تشخص کو نہ چھوڑیں۔اقبال ہمیں خودی، اجتہاد، اور تخلیقی سوچ کی دعوت دیتے ہیں تاکہ مسلمان محض مغرب کی تقلید نہ کریں بلکہ اپنی شناخت کے ساتھ ترقی کریں۔اقبال کی فکر محض ماضی کی تنقید نہیں بلکہ ایک آئندہ لائحہ عمل ہے۔وہ ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ مغربی ثقافت کو نہ مکمل رد کرنا دانشمندی ہے نہ اندھی تقلید۔عصر حاضر میں اقبال کی فکر ایک نئی تہذیبی بصیرت فراہم کرتی ہے جو ہمیں روحانیت اور سائنسی ترقی میں توازن قائم کرنے کا درس دیتی ہے۔

اسباب اختیار موضوع

اس موضوع کو اختیار کرنے کے کئی اسباب ہیں ۔

۱: موضوع سے دلچسپی

۲: دور حاضر میں موضوع کی اہمیت و افادیت

۳: موضوع پر سابقہ تحقیقات کی عدم کفایت

۴: موضوع سے متعلق اذہان میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات کی جستجو

منہج تحقیق

اس مقالے میں تحقیق کا منہج تحقیقی و تجزیاتی ہو گا۔اس مقالے میں راقم اقبال کے اشعار، فلسفہ، وافکار کی روشنی میں مغربی تہذیب کی عصری معنویت کی وضاحت کرے گا۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

۱: مضمون، جویریہ حسین، علامہ اقبال عصر حاضر کے تہذیب شناس، لاہور، دختران اسلام، 6 اپریل 2019ء

۲: مضمون، فیصل شہزاد سیال اقبال اور تہذیب مغرب، ہم سب، 8 جون 2023ء

۳: مقالہ، ظفر حسین حجازی، علامہ اقبال اور مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں، کراچی، ادارہ معرف اسلامی، جون 2021ء

۴: مقالہ، طاہرہ بشارت، عصری تہذیبی تصادم اور فکری اقبال کا تجزیاتی مطالعہ، کراچی ایشین ریسرچ انڈیکس، 2012ء

مندرجہ بالا سابقہ تحقیقی کام کی روشنی میں اقبال کی فکر کی مختلف جہتوں پر تو کام ہوا ہے لیکن فکر اقبال میں مغربی تہذیب کی عصری معنویت پر کوئی بھی مقالہ مقالہ نگار کی نظر سے نہیں گزرا۔لہذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس موضوع کی تحقیقی اور عصری اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

cc BY

اہداف تحقیق

اس میں مقالے میں راقم نے درجہ ذیل اہداف تحقیق مقرر کیے ہیں۔

فکر اقبال کا تعارف اور پس منظر

ثقافت کے تصور کی وضاحت

فکر اقبال میں مغربی ثقافت

عصر حاضر مسلمانوں کے زوال کے اسباب

فکر اقبال کا تعارف اور پس منظر

علامہ اقبالؔ ایک عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت ہیں۔ ان کی شاعری ایک پورے دور اور ایک پوری تاریخ کی عکاس ہے۔ ان کی شاعری کو پڑھتے ہیں تو گویا یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر پڑھ رہے ہوں۔ اسی لیے اقبال کی شاعری کو قران کی تفسیر کہا جاتا ہے۔ حکیم الامت جس دور میں اقبالؔ بنے وہ مشرقی اقوام کے لیے سیاسی بدحالی اور سماجی اضطراب وانتشار کا دور تھا اور یہی سوز ان کی شاعری میں واضح نظر آتا ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو ان کی عظمت کے یادگار عہد سے شاعری کے اسلوب میں متعارف کروایا ہے۔ ان کی شاعری میں فکر، تاریخ و تہذیب، مشرق و مغرب اور علمی حقائق پر تبصرے بھی ہیں لیکن اوج کمال تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیغام، اپنی فکر اور فلسفے کو شاعری کو ادب عالیہ کا لباس پہنایا ہے۔ اقبال سے مفکرین اور ناقدین نے اختلاف بھی کیا ہے لیکن سب ان کی ہمہ گیر شخصیت کے معترف ہیں کہ ان کی شاعری میں شعریت کے محاسن سوز، حسن، سرور، نغمگی اور آہنگ کا الگ معیار موجود ہے اور یہ معیار ان کے فارسی اور اردو کلام دونوں میں پایا جاتا ہے۔ علامہ کے انتقال کے وقت ان کے فرزند جاوید اقبال کی عمر تقریباً چودہ برس کی تھی۔ اس میں سے اگر ابتدائی پانچ برس نکالے جائیں تو نو برس کا وہ مختصر عرصہ جس میں انہوں نے کم سنی کے باوجود اپنے والد کی شخصیت کا بغور مشاہدہ مطالعہ کیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ ان پر علامہ کی شخصیت کی جو خصوصیات عیاں ہوئیں ایک تو عالم اسلام سے ان کی بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اور دوسری رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ بے مثال اور لامتناہی عشق تھا۔[2] اس عشق کا تو یہ عالم تھا کہ اس کا اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکتا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے[3]

علامہ کے لیے عشق مصطفی ﷺ ایک ایسی بے مثال عنایت تھی کہ حضور رسالت ﷺ کی ذات سے سے عشق ہی زندگی کا حاصل ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[4]

جاوید اقبال بتاتے کہ وہ اپنے والد کے فقر واستغنا سے بھی متاثر ہوئے۔ زندگی کی مادی آسائشوں سے بیزار تھے۔ وکالت بھی کرتے تو اس حد تک کرتے کہ ان کے گھر کا خرچ چلتا رہے۔ اقبال کا فقر اس حد تک کہ ان کے دور حیات میں ان کی تصانیف کی اشاعت کسی معقول آمدنی کا ذریعہ نہ بن سکی۔ بیوی کے بچائے ہوئے روپوں سے گھر بنایا اور فوت ہوئے تو آخری ماہ کا کرایہ بھی ادا کر کے وفات پائی اور بنک میں جو سرمایہ تھا وہ ان ہی کی وصیت کے مطابق کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہوا۔ ان کی جرات اظہار اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی جرات وبے باکی کا بنیادی سبب ان کا فقر ہی تھا[5]۔ اقبال یقینی طور پر عشق، فقر، جرات، حریت کا پیکر تھے۔ حکیم الامت کا فکری پس منظر اٹھارہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ، روس اور برطانیہ کے اقتدار کے زیر اثر دنیائے اسلام کا اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی زوال بدحالی کا عکاس ہے۔ جسکی وجہ سے عرب، شمالی افریقہ، جنوبی روس اور ہندوستان میں وہابی طرز کی اصلاحی تحریکیں ابھریں۔ اگرچہ ان تحریکوں کی عملی طور پر باہمی مطابقت نہ تھی لیکن مقاصد واہداف کے لحاظ سے یکسانیت پائی جاتی تھی۔ ان مقاصد میں اسلام کی اصل اور حقیقی فکر کی تلقین کرنا تھا لیکن جب یورپ کی اقتصادی ہوس و حرص بڑھی اور اس نے بعض اسلامی ممالک پر طاقت کا تسلط ہوا اور بعض کا اقتصادی استحصال ہوا۔ مغرب کی اس در اندازی سے مسلمان مغرب کے جدید تصورات آئین پسندی، سیکولرازم، نیشنل ازم جیسے تصورات سے متعارف ہوئے۔

مغربی افکار کے تسلط کے سبب دنیائے اسلام میں دو نقطہ ہائے نظر پیدا ہوئے۔ ایک وہ جس نے مغربی افکار اور تہذیب و ثقافت کی بھرپور مخالفت کی۔ ان میں عرب کے ابن عبد الوہاب، شمالی افریقہ کے محمد السنوسی اور ہندوستان میں سید احمد بریلوی اور تینوں کے معتقدین شامل تھے۔ اس فکر کے حامل افراد کو وہابی تحریک کہا گیا۔ دوسرے وہ مصلحین تھے جنہوں نے مغربی افکار ہو اسلامی رنگ مین ڈھالنے کی کوشش کی۔ ان میں ترکی کے مدحت پاشا، جنوبی روس میں مفتی عالم جان، مصر میں شیخ محمد عبدہ اور ہندوستان میں سرسید احمد خان ایسے مفکرین جن کی فکر کو لبرل اور سیکولرازم کہا گیا۔ ایسے میں سید جمال الدین افغانی آگے بڑھے اور یورپ کی ترقی کو اختیار کرنے پر زور دیا وہابیت اور لبرل ازم میں مصالحت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے نتیجے میں پان اسلام ازم کی تحریک وجود میں آئی۔ جو سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کے وقت نیشنل ازم کی صورت اختیار کرگئی۔

اقبالؔ برصغیر پاک وہند میں روشن خیالی اور لبرل ازم کے سلسلے کا آخری چراغ ہیں۔ ان کا 1907ء کے بعد کا کلام فرد اور جماعت کی اہمیت، تخلیقی عمل اور جہد مسلسل کے اصرار پر مشتمل ہے اور اس کلام میں ان کا مطمح نظر مسلمانان عالم اور خاص کر مسلمانان ہند کی سماجی، اخلاقی، معاشی و معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی ترقی ہے۔ اقبال کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے ہر نہج کی ایک فلسفیانہ

cc BY

اساس قائم کر کے اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ اقبال کا طرز تحریر نہ تو مناظرانہ رہا اور نہ عذر و معذرت خواہانہ۔ انہوں نے نہایت جرات کے ساتھ اس فلسفے کو بیان کیا کہ خودی کی تعمیر سے مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے "مرد مومن" کی اصطلاح کا تصور بھی پیش کیا وہ مرد مومن جس کی جلوت وخلوت اسلامی رنگ کی عکاس ہو۔ اقبال کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو اجتہادی فکر ہے۔ اقبال مسلمانوں کے علم میں ایک خاص قسم کی تبدیلی و تجدید (Reformation) کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، اجتہاد کو مسلمانوں کی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتے ہیں۔[6] تصور اقبال تو یہ تھا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی کوئی ریاست قائم ہو۔ اقبال ترکوں کے خلافت کو ختم کرنے کو درست اقدام سمجھتے تھے اور جمہوریت ان کے نزدیک اسلام کی حقیقی تعلیمات کی طرف رجوع تھا۔ ان کا شوق اجتہاد تھا کہ وہ اسلامی ممالک میں آئین ساز مجالس کے قیام کا خیر مقدم کرتے ہوئے مسلم اقوام پر زور دیتے تھے کہ وہ اپنے قدیم اداروں اور روایات پر نظر ثانی کریں اور ان سے اپنا رشتہ استوار کریں۔ وہ جدید تجربات کی روشنی میں شریعت اسلام کی تعبیر کے لیے اجتہاد پر زور بھی دیتے تھے لیکن ساتھ ہی اس پہ شرط بھی رکھتے تھے کہ اجتہاد کو اس طرح کیا جائے کہ قوانین شریعت کی اصل روح کو ضرر نہ پہنچے۔ وہ پورے عالم اسلام کو زندہ و بیدار دیکھنا چاہتے تھے۔ پرانی عظمت کی بازیافت کے لیے ان کے دل میں بے پناہ تڑپ تھی۔ جس کے لیے وہ ترک دنیا کی بجائے ترک فرنگ کی نصیحت کرتے ہیں۔ اقبال اقوام مشرق کو مغربی تہذیب کی استعمار کی قید سے رہائی کی جو تدابیر بتاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو مغرب کی نو استعماری سازشوں سے خبردار رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے خام مال و وسائل کی حفاظت کرنا ہے۔ دین کے ساتھ ان کی محبت بڑی غیر معمولی ہے۔

ثقافت کے تصور کی وضاحت

"ثقافت" عربی زبان کا لفظ ہے جو "ثقف" سے ماخوذ ہے۔ اس کا لغوی مطلب ہے: تیز ہونا، سیدھا کرنا، اصلاح کرنا، دیکھنا، کسی چیز کو سنوارنا یا نکھارنا۔ لہٰذا لغوی اعتبار سے "ثقافت" کا مطلب ہے کسی چیز کو مہذب بنانا، نکھارنا، یا درست کرنا۔ اصطلاح میں "ثقافت" ایک وسیع تر تصور ہے جس سے مراد ہے۔

"کسی قوم یا معاشرے کے رہن سہن، لباس، زبان، خوراک، ادب، فنون، مذہب، رسوم ورواج، اقدار، نظریات، عقائد اور طرز زندگی کا مجموعہ۔

ثقافت میں درج ذیل اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ مادی عناصر: جن میں لباس، فنِ تعمیر، خوراک، رہائش، آلات وغیرہ۔ غیر مادی عناصر ان میں زبان، اخلاقیات، مذہبی عقائد، رسومات، ادب، موسیقی، شاعری، نظریات۔[7] ثقافت کو انگریزی کے لفظ "کلچر" (Culture) کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کلچر موجودہ دور میں ایک وسیع مفہوم کا رکھتا ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس میں اخلاق، عادات، معاشرت، سیاست، مصنوعات، قانون، لباس، خوراک، آرٹ، موسیقی، ادب، فلسفہ، مذہب اور سائنس سب کچھ شامل ہے۔[8] کلچر میں کسی قوم کے محاسن و معائب شامل ہیں، ثقافت بھی اسی وجہ سے وسیع مفہوم اختیار کر گئی ہے۔ اور اپنے لغوی معنی اور اصل مفہوم سے دور چلی گئی ہے۔ اور اس میں ایک طرف عبادات شامل ہیں اور دوسری طرف لہو ولعب اور ناچ گانا تک اس کے جزو بن گئے ہیں۔ تہذیب اصل ہے اور اس کا تعلق نظریات سے ہوتا ہے۔ جو کسی مخصوص جغرافیائی ماحول میں پیدا ہوتی ہے۔ تہذیب نظریات سے جنم لیتی ہے اور نظریات انسان کو دین عطا کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ اور منبع اس کا دل ہے اور دل پر اس کے بنیادی نظریات اور اعتقادات کی حکمرانی ہوتی ہے۔ گویا کہ یہ بنیادی افکار انسان کی سیرت و کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔

فکر اقبال میں مغربی ثقافت

علامہ اقبال نے مغربی ثقافت اور مغربی افکار و نظریات پر شدید تنقید کی۔ اس پر بعض حضرات نے اقبال کی اس تنقید پر گرفت بھی کی۔ انھیں یہ تنقید بے جا معلوم ہوئی۔ دراصل یہ مغرب سے مرعوب زدہ طبقہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی شان دار روایات کا منکر تھا اور جدید مغربی تہذیب کی چکا چوند انہیں خیرہ کر رہی تھی۔ خلیفہ عبدالحکیم بھی انھی اہل قلم میں سے ہیں جنھیں حکیم الامت کی تنقید مغرب پسند نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ

"اقبال کے ہاں مغربی ثقافت کے متعلق زیادہ تر مخالفانہ تنقید میں ملتی ہے اور مخالفت اس کے رگ وپے میں اس قدر رچی ہوئی ہے کہ اپنی اکثر نظموں میں جا بے جا ضرور اس پر ایک ضرب رسید کر دیتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اقبال کو مغربی ثقافت میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔[9]"

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اقبال نے یورپی ثقافت کے صرف ان پہلوؤں کے خلاف لکھا ہے جنھیں وہ امت مسلمہ یا نوع انسانی کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ مغرب میں آزاد خیالی ملحدانہ نظریات اور سرمایہ داری کے رجحانات میں سائنسی ترقی کو بھی دخل حاصل ہے۔ سترھویں صدی کے آواخر میں بھاپ (سٹیم) کی قوت کے منکشف ہونے سے مشینی دور کا آغاز ہوا۔ اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب آیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی سے سرمایہ دارانہ نظام کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہوس و حرص بھی بڑھتی چلی گئی۔ مادی ترقی ہی زندگی کی کامیابی اور انسان کے شرف و فضیلت کا پیمانہ قرار پائی۔ مصلحت کوشی اور مفاد پرستی نفع عاجل" کے لیے ہر اوچھے اور کمینے حربے کو جائز ٹھہرایا۔[10]"

کسی بھی قوم کی انقلابی ترقی میں نوجوانوں کی جدوجہد اور مسلسل تگ و دو اساسی حیثیت کی حامل ہے۔ مفکرین اور دانشور حضرات قوم کو حکمت و دانائی کی تعلیم دے کر سرگرم عمل کرتے ہیں۔ یہی فکری راہ نمائی جب قوم کو بیدار کرتی ہے تو اس کے نوجوان ایک سیلاب کی صورت میں اٹھتے ہیں اور قوم وملک کی تقدیر بدلنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے نوجوانوں سے بہت سی امیدیں تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مخالف قوتوں سے ہرگز مت ڈرو، جدوجہد جاری رکھو کیوں کہ جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔[11]

اقبال کے نزدیک نوجوان کسی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کے مطابق اگر نوجوان خواب دیکھنا، سوچنا، اور کچھ کر گزرنے کی جستجو رکھتا ہو، تو وہ پوری دنیا کو بدل سکتا ہے۔ وہ نوجوان کو "شاہین" سے تشبیہ دیتے ہیں، جو بلند پرواز، خوددار، اور غیرت مند پرندہ ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ نوجوان دینی شعور اور جدید سائنسی علم دونوں میں مہارت رکھے۔ وہ صرف کتابی کیڑا نہ ہو، بلکہ علم کو عمل میں ڈھالنے والا ہو۔ غیرت، حیا اور خودداری اپناؤ۔ اقبال کے نزدیک مغربی ثقافت کی اندھی تقلید نوجوان کو اپنی روحانی اقدار سے دور کر دیتی ہے۔ وہ نوجوان کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی ثقافت، دین، اور غیرت کی حفاظت کرے۔

OPEN ACCESS

افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں — پوشیدہ نہیں مرد قلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی — مدت ہوئی گزرا تھا اس راہ گزر سے
الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا — غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے
پیدا ہے فقط حلقہ ارباب جنوں میں — وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے
جس معنی پیچیدہ کی تصدیق کرے دل — قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے
یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار — جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے [12]

ان کا خواب تھا کہ نوجوان صرف مقلد نہ بنے، بلکہ مجتہد بنے، یعنی تخلیقی سوچ کا حامل، جو دین و دنیا دونوں میں اجتہاد کرے۔ اقبال کی نظر میں مغرب کی ثقافت جسم کی پرورش تو کرتی ہے مگر روح کو تباہ کر دیتی ہے۔ وہ نوجوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اپنے دینی ورثے کی روشنی میں آگے بڑھیں۔ اقبال نے مغربی ثقافت کی ظاہری چمک دمک کو ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے نزدیک مغرب کی ترقی صرف مادی ہے جبکہ روحانی طور پر وہ کھوکھلا ہو چکا ہے۔ وہ نوجوانوں کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ مغرب کی اندھی تقلید نہ کریں بلکہ علم حاصل کریں مگر اپنے اقدار کے ساتھ جڑے رہیں۔ اقبال نوجوان کو قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اگر نوجوان اپنی خودی کو پہچان لیں، اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کریں اور بلند نصب العین اپنالیں، تو وہ دنیا کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ اقبال کے اشعار میں نوجوانوں کو اکثر شاہین کی علامت سے تعبیر کیا گیا ہے، جو بلندیوں کا متلاشی، آزاد، بے خوف اور خوددار ہوتا ہے۔ ان کا خواب تھا کہ نوجوان صرف مقلد نہ بنے، بلکہ مجتہد بنے، یعنی تخلیقی سوچ کا حامل، جو دین و دنیا دونوں میں اجتہاد کرے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہمارے نوجوانوں کی باتیں کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ سیاست پر دینی چاہیے یورپ کی غلامانہ تقلید سکے سوا اور کچھ نہیں۔ یورپ کی مادہ پرستی اس کی روحانیت اور دوسری اقوام کی مادیت کے لیے پیام موت ثابت ہو چکی ہے۔"[13]

اقبال کی نظر میں مغربی ثقافت، اگرچہ بظاہر ترقی یافتہ اور مہذب نظر آتی ہے، لیکن اس کے باطن میں ایک گہرا خلا، روحانیت سے دوری، اور انسانیت سے دشمنی پوشیدہ ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی تہذیب وہ ہے جو انسان کے باطن کو روشن کرے، اخلاقی اقدار کو زندہ رکھے اور فرد کو معاشرے سے جوڑ کر خدا سے وابستہ کرے۔۔ ۱۵ اپریل ۱۹۳۳ء کو ادارہ معارف اسلامیہ کا پہلا اجلاس اقبال کی زیر صدارت پنجاب یونی ورسٹی، لاہور میں منعقد ہوا۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا:

"وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اب ہم فقہی جزئیات کی چھان بین کے بجائے ان اہم شعبہ ہائے علم کی طرف متوجہ ہوں جو ہنوز محتاج تحقیق ہیں۔ ریاضیات، عمرانیات، طب اور طبیعیات میں مسلمانوں کے شان دار کارنامے ابھی تک دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مستور و پنہاں ہیں، جن کے احیا کی سخت ضرورت ہے۔ یورپ کے علما بیسویں صدی میں جن نظریات و انکشافات کو اپنے لیے نئی چیز سمجھتے ہیں ان پر عرب علما و فضلا صدیوں سے سیر حاصل بحثیں کر چکے ہیں۔ آئن سٹائن کا نظریہ یورپ کے نزدیک نیا ہو تو ہو لیکن علمائے اسلام کی کتابوں میں صدیوں پہلے اس کے مبادی زیر بحث آ چکے ہیں۔ برگساں کے فلسفہ امتیازی کو سمجھنے کے لیے ابن خلدون کے افکار و خیالات کے مطالعے کی اشد ضرورت ہے۔"[14]

اقبال کے نزدیک مغربی ثقافت مادیت پرستی (Materialism) کی علامت ہے، جو روحانی، اخلاقی، اور معنوی اقدار سے خالی ہو چکی ہے۔ وہ اسے ظاہری ترقی اور باطنی زوال کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔
اقبال کی تنقید صرف مغرب کی سائنسی ترقی یا ٹیکنالوجی پر نہیں، بلکہ اس ثقافت کے نظریاتی اور فکری ڈھانچے پر ہے، جو روحانیت سے دور اور انسان کو محض جسمانی وجود سمجھتی ہے۔
اقبال مغرب کو سامراجی قوت سمجھتے ہیں جو دوسرے اقوام کو غلام بناتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ ثقافت علم اور ٹیکنالوجی کو انسانیت کی خدمت کی بجائے، طاقت اور تسلط کے لیے استعمال کرتی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی دو عالم گیر جنگیں اسی خود غرضانہ سوچ کا نتیجہ تھیں، ان جنگوں میں لاکھوں انسان مار دیے گئے۔ اس نے انسانیت کے وقار کو ختم کر دیا ہے اور اقبال اس اساس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

OPEN ACCESS

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات[15]

مغرب ثقافت کی الحادی اور سیکولر اساس نے اسے فکر و عمل کی ایسی پستی میں دھکیل دیا ہے۔ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا کہ کن بہتر و اعلیٰ اقدار کو اختیار کرے۔ اس کے نزدیک اس کی مادہ پرستانہ سوچ ہی افضل ہے، یورپ کی اس پر تیز رفتار ترقی میں کچھ لوگ بہت مرعوب ہوئے۔ اس غیر دانش مندانہ روش سے مغربی سوسائٹی اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال کا شکار ہوئی لیکن حکمرانوں نے اس خرابی میں اضافہ ہی کیا جس کی ہولناکیوں سے یورپ تباہی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔ خود اقبال نے ۱۹۱۲ء میں جو پیش گوئی کی دو ہی برس بعد وہ بہت حد تک پوری ہوگئی۔

۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ء کے درمیان دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ عالمی طاقتیں جن کی خود غرضیوں نے دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ایک نئی عالمی جنگ کی تیاری میں مگن ہو گئیں۔ مسلمان ممالک ان استعماری طاقتوں میں پر شکستہ پرندے کی طرح لاچاری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک صرف یورپ تک ہی نہیں بلکہ دوسرے خطے، جزیرے، سمندر، صحرا اور پہاڑ بھی اس سیل کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایک قیامت تھی جس کی بجلیاں پانچ سال تک مختلف خطوں پر گرتی رہیں۔ جن سلطنتوں کا سرمایہ افتخار یہ تھا کہ ان پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ آج ان کا سراغ لگانے کے لیے سورج کی قندیل بھی کچھ کام نہ آئی۔[16]

تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ[17]

مغرب کی باہمی جدال و قتال اور ایک دوسرے کے شکست ریخت کی جدوجہد کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۰ء کو روس کا آخری سپاہی افغانستان کی سرزمین سے نکل گیا۔ وہ تمام مسلمان ریاستیں جو روسی استبداد کا شکار ہوئیں اور جو عالم اسلام کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں، روس کے تسلط سے آزاد ہو گئیں۔ یہ ریاستیں اقبال کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں استعماری طاقتوں سے آزاد ہو گئیں۔ اب عالم اسلام کے تمام ممالک آزاد ہیں اور بہتر مستقبل کی طرف رواں دواں ہیں۔

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا[18]"

مغرب سے مسلمانوں کی حریت و آزادی کی تحریکوں نے مسلمانوں کو مغرب کے پنجہ استبداد سے آزاد کر دیا لیکن یہ مسلمان ممالک اقتصادی لحاظ سے آج بھی مغربی شاطروں کے شکنجے میں ہیں۔ تاہم محکومی کی جو حالت پچاس برس قبل تھی اب موجود نہیں۔ حالات سے لگتا ہے کہ آنے والے پچاس برس مسلمانوں کے روشن مستقبل کی نوید ہیں۔ علامہ اقبال نے آنے والے دور کی اک دھندلی سی تصویر دکھائی تھی۔

عالم تو ہے ابھی پردہ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے — لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی — روح امم کی حیات، کش مکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم — کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب[19]

حکیم الامت کے پیش نظر ملت اسلامیہ کے مستقبل کا تحفظ تھا، اس لیے وہ مسلمانوں کو پر امید خیالات کے ذریعے آزادی کے لیے ابھارتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو مغربی ثقافت سے مرعوب ہونے کی بجائے یورپ کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے مقابلے پر کھڑا کر دیا۔ مغربی ثقافت پھیلانے کے لیے استعماری طاقتوں نے محکوم قوموں پر مغربی نظام تعلیم مسلط کیا۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔ مقامی مسلمانوں میں سے ایسے افراد بھی انھیں مل گئے جنھوں نے مغربی فکر و ثقافت کی ترویج میں مغربی طاقتوں کا ساتھ دیا۔ انھوں نے یورپی تعلیم کے فروغ کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے، ان کے نام "محمڈن کالج"، "اسلامیہ کالج" اور "عریبک کالج" رکھے گئے اس سے تاثر یہ مقصود تھا کہ گویا یہ تعلیمی ادارے اسلامی تعلیم کے ادارے ہیں۔ ہندستان میں کھلنے والے ان تعلیمی اداروں میں مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لارڈ میکالے نے فخریہ انداز میں اس اظہار کیا ہے کہ

"میں اس بات پر بھی تیار ہوں کہ مستشرقین جو اہمیت ان علوم کو دیتے ہیں، وہی میں بھی دوں۔ ان حضرات میں سے مجھے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو اس حقیقت سے انکار کرے کہ یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی محض ایک الماری ہندوستان اور عرب کے سارے ادبی سرمایے پر بھاری ہے۔[20]"

مغرب کی مکار ذہنیت محکوم قوموں کو علمی ترقی سے محروم رکھنا چاہتی تھی اور نہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان میں علوم و فنون میں مزید ترقی کرنے اور نئے نئے انکشافات کرنے اور تحقیقات میں کمال حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہو بلکہ وہ ان محکوموں کو اپنے اقتدار کی مضبوطی و استحکام کے لیے کل پرزوں کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لارڈ میکالے لکھتا ہے کہ

"اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سر انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز۔[21]"

انگریزوں نے ہندوستان میں قدم جماتے ہی اپنی تہذیب و ثقافت کو نافذ کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں انھوں نے پرائمری تعلیم تمام تر انگریز مشنری اداروں کی تحویل میں دے دی۔ ابتدائی دور میں بھی ان مشنری تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم میں بائبل کی تعلیم لازمی تھی۔ یہ تعلیم اس قدر زیادہ، موثر اور کارگر تھی کہ وزیر بنگال فریڈرک ہالیڈے نے کہا:

"ہندو کالج کلکتہ میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک سکول میں بھی نہیں ہے۔ مشنری تعلیمی اداروں میں مسیحیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لارڈ میکالے نے جو تعلیمی سفارشات پیش کی تھیں ان میں بھی ہندوستان کے باشندوں کو ان کے اپنے مذہب ہندومت اور اسلام) سے منحرف کرنا تھا۔ اس نے اپنے والد کو خط لکھا کہ: "کوئی ہندو جسے انگریزی تعلیم دی گئی ہو، کبھی بھی خلوص دل سے اپنے مذہب پر قائم نہیں رہ سکتا۔[22] "

لارڈ میکالے یہی چاہتا تھا کہ مغربی تعلیم کے ذریعے ہندوستان میں ایک طبقہ ایسا بنادیا جائے جو خون، رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق رائے اور عقل و فہم کے نقطہ نظر سے انگریز ہو۔ مغربی نظام تعلیم اور نصاب دونوں لادینیت پر مبنی ہے۔ مغربی مفکرین اور مغربی ثقافت نے اپنے علوم وفنون میں سے خدا کو بے دخل کر دیا ہے۔ لادینی فلسفہ حیات پر مبنی اس نظام تعلیم کے تمام مضامین، خدا کے تصور کے بغیر تخلیق کئے گئے ہیں۔ ان مفکرین کے طے کردہ نصاب کی تدریس و تعلیم کے پراسیس کے ساتھ ساتھ لادینی ذہن بھی بنتا رہتا ہے۔ مغربی لادینی نظریات طلبہ کے ذہنوں کو اسلامی تعلیمات سے دور لے جاتے ہیں۔ مغربی فکر نے دھوکا، فریب، مکاری اور بلیک میلنگ جیسے قبیح ہتھ کنڈوں سے معاشرے کو انتہائی پستی تک پہنچا دیا، ان کا نظام تعلیم بھی اسی فریب کی خصوصیت پیدا کرتا ہے اور مغرب کا دانش ور طبقہ انھی حربوں سے مسلم ممالک پر غالب آیا۔ اقبال نے اس کو یوں بیان کیا کہ

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں — یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری [23]

انسانی تاریخ کا المیہ ہے کہ مغربی کے ثقافت باعث انسانوں میں علمی ذوق نہیں رہا۔ ساری کوششیں مادی لذتوں کے حصول کے لئے ہو رہی ہیں۔ مغربی ثقافت واقتدار کے اس دور میں در حقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے۔ مسٹر حوڈ کا قول ساری مغرب زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے " جو نظریہ حیات اس زمانے پر مسلط اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر اور ہر مسئلے اور معاملے کو پیٹ یا جیب سے دیکھنا اور جاننا ہے۔"

جس انسان کی بے بسی کا نوحہ اقبال کے اشعار میں ملتا ہے اس انسان کے مختلف صورتیں مغرب کی ثقافت میں نظر آتیں ہیں ہیں ان آزاد خیال مفکرین نے یورپ کی معاشرت کو طرح طرح کے عیوب میں دھکیل دیا ہے۔ یہی مفکر شیطان کی طرح تخریب کاری پر گامزن ہیں۔ جامعہ دہلی میں اقبال نے غازی رؤف پاشا کے لیکچر کے بعد لطیفہ سنایا تھا کہ "ایک روز شیطان کو اس حال میں دیکھا کہ بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا ہے۔ اس نے شیطان کو جو اس حال میں دیکھا تو بڑا متعجب ہوا۔ کہنے لگا حضرت یہ کیا بات ہے؟ آپ اس اطمینان سے بیٹھے سگار پی رہے ہیں، اب دنیا میں فتنہ و فساد کون پھیلائے گا۔ اس نے کہا فکر نہ کیجیے میں نے یہ خدمت برطانوی کابینہ کے سپرد کر رکھی ہے۔[24]"

انسانی تاریخ کا المیہ ہے کہ مغربی ثقافت کے باعث انسانوں میں علمی ذوق نہیں رہا۔ ساری کوششیں مادی لذتوں کے حصول کے لئے ہو رہی ہیں۔ مغربی ثقافت واقتدار کے اس دور میں در حقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے۔ مسٹر حوڈ کا قول ساری مغرب زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے کہ

" جو نظریہ حیات اس زمانے پر مسلط اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلے اور معاملے کو پیٹ یا جیب سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔[25]"

مغربی دانشوروں جو علمی مشاغل رکھتے ہیں ان میں بھی ان کے خاص مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہومل جو تھوڑے عرصے تک اقبال کے استاد رہے انھیں ایران میں مابعد الطبیعیات کے ارتقا سے واجبی سی دل چسپی تھی۔[26] خود اقبال نے متعدد مقامات پر مستشرقین کے متعلق تلخ لہجے کے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

"مقاصد جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونی ورسٹیوں کے اساتذہ کے خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گم راہ ہو جاتا ہے۔ -[27]"

علی گڑھ کے طلبہ پر مغربیت چھار ہی تھی۔ علامہ اقبال نے عبد الماجد دریابادی سے کہا کہ وہ علی گڑھ یونی ورسٹی جایا کریں تا کہ طلبہ کے ذہن ان اسلام مخالف قوتوں کی منفی سرگرمیوں کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔[28]

مغربی لادینی اثرات سے بچانے کے لیے انھوں نے نوجوان نسل سے پر سوز خطاب کیا۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "گزشتہ چند سال سے میں صرف اپنے جسد خاکی کا مالک ہوں، میری روح ہمیشہ آپ کی خدمات کے لیے حاضر رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔"[29] علامہ اقبال نے جہاں مسلمانوں کو جدید عصری

CC BY

تقاضوں کے لیے بیدار کیا، وہاں انھیں خصوصیت کے ساتھ قرآنی شعور وتعلیمات سے بہرہ مند ہونے کی تعلیم دی۔ اقبال نے اپنی تمام فکری اور فنی صلاحیتیں مسلمانوں میں ملی شعور اور دینی تشخص کے احیا اور استحکام پر صرف کر دیں۔[30]

علامہ اقبال معاصر علماء کے برعکس مسلمانوں کے لیے کسی دوسرے نظریہ حیات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر ہر گز تیار نہ تھے۔" اقبال ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئت اجتماعی کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اس امر کا اطلاق کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو وہ نامعقول و مردود ہے"۔[31]

مغربی تہذیب وثقافت کی بنیاد انکار خدا پر ہے۔ مغربی مفکرین نے ہر قسم کی پابندی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مذہب سے بھی چھٹکارا حاصل کیا۔ آزادی افکار کو ایسی پذیرائی ہوئی کہ آزاد خیال یورپی اقوام کی فکر و نظر میں رچ بس گئی۔ اس کے اظہار کی ایک شکل یہ تھی جو نیطشے کی زبان سے ادا ہوئی کہ نعوذ باللہ، خدا مر چکا ہے۔[32]

شاعر مشرق کے خیال میں مغربی حکمرانوں کو ان کی ملک گیری، مادیت اور محدود قومیت و وطنیت کے نظریات نے انتہائی تنگ نظر بنا دیا ہے۔ علامہ اقبال نے قیام یورپ ہی میں کہہ دیا تھا کہ

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپایدار ہو گا[33]

علامہ اقبال کی نشو ونما ایسے عہد میں ہوئی جب مغربی استعماری طاقت کا سورج کہیں غروب نہیں ہوتا تھا۔ عالم اسلام میں ترکی کے سوا کوئی مسلمان ملک اس قابل نہ تھا جو مغربی طاقتوں کے تسلط سے آزادی کا دعویٰ کر سکے۔ ہر طرف فرنگیوں کا دور دورہ تھا۔ مسلمان مغربی طاقتوں کے غلام تھے۔ یہ غلامی صرف سیاسی غلامی نہیں تھی، تہذیب و ثقافت، معیشت و معاشرت اور تعلیم و ہنر میں مسلمانوں پر مغرب کا اس قدر اثر تھا کہ مسلمان مغربی افکار سے باہر نکل کر کچھ اور سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ بظاہر جن قائدین نے اصلاح احوال کی کوشش کی وہ بھی مغربی تہذیب و ثقافت کی نقالی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے مغرب کی ثقافت کے نہ صرف مظاہر کا مشاہدہ کیا تھا بلکہ اس تہذیب کے فکری عناصر کا بھی گہری نظر سے تجزیہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تہذیب اب اپنی آخری سانسوں پر ہے۔

خبر ملی ہے خدایان بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگزر سیل بے پناہ میں ہے[34]

مغربی ثقافت نے انسانی قدروں کو پامال کیا۔ اخلاق و مذہب سے بیزاری کا سبق دیا۔ اس تہذیبی فکر نے انسان کی فکر و نظر میں فساد برپا کر دیا ہے۔ انسانی فطرت کی وہ پاکیزگی باقی نہ رہی جو اس کے شرف کا باعث تھی۔ مغربی ثقافت نے انسانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ اس کی بنیاد میں ایسی خرابی ہے کہ اس کا حامل معاشرہ خود غرضی و نفسا نفسی جیسی خرابیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف[35]

علامہ اقبال کے نزدیک اس فساد قلب و نظر کے باعث یورپ کا ضمیر صاف نہیں ہے، اس کے خیالات بلند نہیں ہیں اور وہ ذوق سے بھی محروم ہو چکا ہے تو کیسے دوسروں کو حیات بخش تعلیم کیسے دے سکتی ہے۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف[36]

عصر حاضر میں مسلمانوں کی زوال کے اسباب

علامہ اقبال نے مغربی ثقافت کی چمک دمک اور اس کے سیاسی کمالات کے کھوکھلے پن پر دنیا کو توجہ دلائی۔ یورپ نے جن علوم میں ترقی کی ہے۔ یہ بھی اسے سکون و اطمینان قلب نہیں دے سکتے۔ آج سائنس کی بے پناہ ترقیوں کے باوجود انسان اخلاقی اور روحانی طور پر اس طمانیت سے محروم ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ناگزیر ہے۔ یقیناً، اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کے کئی اسباب تھے جن پر انہوں نے اپنی شاعری اور نثر میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔

خودی سے بیگانگی

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب "خودی" سے بیگانگی ہے۔ خودی کا مطلب انسان کی باطنی قوت، خود شناسی اور اپنے مقام کو پہچاننا ہے۔ اقبال کا ماننا ہے کہ جب مسلمان اپنی خودی کو بھول گئے تو وہ غلام بن گئے۔ انہوں نے مادّی دنیا کی چمک دمک میں کھو کر روحانی اقدار کو نظر انداز کیا۔ خودی وہ طاقت ہے جو انسان کو غیرت، حوصلے اور قیادت کے قابل بناتی ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی خودی کو بیدار کریں۔ ان کے نزدیک بغیر خودی کے مسلمان صرف ایک ہجوم بن جاتا ہے، امت نہیں۔ ان کی شاعری میں "خودی کو کر بلند اتنا..." جیسے اشعار اسی پیغام کو عام کرتے ہیں۔ خودی کی اہمیت کو اجاگر کر کے اقبال نے مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک خودی زندہ نہ ہو، ترقی ممکن نہیں۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

CC BY

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا[37]

ملوکیت اور خلافت کا خاتمہ

اقبال نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کا ایک بڑا سبب خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت کا آغاز قرار دیا۔ ان کے نزدیک خلافت اسلامی عدل، مساوات اور شورائیت کی علامت تھی۔ جب خلافت کی جگہ موروثی بادشاہت نے لے لی، تو اسلام کی روح مجروح ہوئی۔ ملوکیت نے عوام کو غلام بنایا اور حکمرانوں کو فرعون۔ اقبال کہتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ نظام تھا جو ملوکیت کے ہاتھوں جامد ہو گیا۔ حکمرانوں نے دین کو سیاست سے جدا کر دیا، اور علمائے سوء نے ان کا ساتھ دیا۔ اقبال نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ دین اور سیاست کو جدا کرنا اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ ملوکیت نے آزادیِ فکر کو ختم کیا اور جمود پیدا کیا۔ یہی جمود زوال کی بنیاد بن گیا۔ اقبال کے مطابق مسلمانوں کی بیداری تب ہی ممکن ہے جب وہ دوبارہ خلافت کے اصولوں کو اپنائیں۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری[38]

دین کی روح سے دوری

اقبال سمجھتے تھے کہ مسلمانوں نے دین کو صرف رسموں تک محدود کر دیا ہے۔ نماز، روزہ اور دیگر عبادات کو صرف ظاہری شکل میں ادا کیا جا رہا ہے۔ دین کی روح، یعنی عدل، اخوت، قربانی اور خدمت خلق کو بھلا دیا گیا ہے۔ جب دین کو محض رسومات کا مجموعہ بنا دیا جائے تو وہ انسان کو بدلنے کے بجائے ایک روایتی عمل بن جاتا ہے۔ اقبال نے زور دیا کہ دین صرف مسجد تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں اس کا اطلاق ضروری ہے۔ ان کے اشعار میں "جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" جیسا پیغام اسی سوچ کا اظہار ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان دین کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھیں۔ جب دین کی روح سے دوری ہو جائے تو قومیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اقبال نے دینی بیداری کی شدید ضرورت پر زور دیا۔

دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی[39]

تعلیم و علم سے دوری

اقبال کے نزدیک علم سے دوری بھی مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب ہے۔ ایک وقت تھا جب مسلمان علم و حکمت کے میدان میں دنیا کی قیادت کرتے تھے۔ بغداد، قرطبہ، اور دہلی جیسے شہر علم و ادب کے مراکز تھے۔ لیکن بعد میں مسلمانوں نے علم کو ترک کر دیا اور توہم پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ جدید سائنسی علوم سے دوری نے مسلمانوں کو دنیا کی ترقی کی دوڑ سے باہر کر دیا۔ اقبال علم کو طاقت کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر، ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ"۔ اقبال مسلمانوں کو جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کے نزدیک علم کے بغیر نہ روحانی ترقی ممکن ہے، نہ مادی۔ مسلمانوں کا علمی زوال، ان کی پستی کی سب سے نمایاں علامت ہے۔

غلامانہ ذہنیت اور تقلید

اقبال نے مسلمانوں کی غلامانہ ذہنیت کو بھی انحطاط کا ایک بڑا سبب قرار دیا۔ صدیوں کی غلامی نے مسلمانوں سے آزادانہ سوچنے کی صلاحیت چھین لی۔ انہوں نے دوسروں کی ثقافت، فکر اور طرزِ زندگی کو بلا سوچے سمجھے اپنانا شروع کر دیا۔ اقبال تقلید کے سخت مخالف تھے، خاص طور پر اندھی تقلید کے۔ ان کے بقول، "تقلید کی موت ہے زندگی کی زندگی"۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان اجتہاد کریں، یعنی نئے حالات کے مطابق دین کی اصل روح کو برقرار رکھتے ہوئے حل تلاش کریں۔ مغرب کی اندھی تقلید نے مسلمانوں کو ان کی اپنی شناخت سے دور کر دیا۔ وہ خود کچھ پیدا کرنے کے بجائے دوسروں کے پیچھے چلنے لگے۔ اقبال کا پیغام یہی تھا کہ مسلمان اپنی اصل پہچان کو سمجھیں اور غلامی کے طوق کو توڑ دیں۔ آزاد فکر ہی ترقی کی کنجی ہے۔

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایہ رعنائی تھا
نازش موسم گل لالہ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہر جائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو[40]

مغربی ثقافتی یلغار اور مرعوبیت

CC BY

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ مغربی ثقافت سے مرعوب ہونا ہے۔ مسلمان مغرب کی سائنسی ترقی اور ظاہری چمک دمک سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی ثقافت کو کمتر سمجھنے لگے۔ اقبال نے بار بار کہا کہ مغرب کا نظام انسان کو روحانی طور پر کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس میں مادہ پرستی، نفس پرستی اور خود غرضی غالب ہے۔ اقبال کا ماننا تھا کہ مسلمان جب تک اپنی ثقافت، تاریخ اور اقدار پر فخر نہیں کریں گے، وہ دوبارہ سربلند نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے فرمایا: "تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی"۔ یعنی مغربی ثقافت کا انجام خود بربادی ہے۔ اقبال نے مغرب سے علم لینے کی بات کی، مگر تقلید کی مخالفت کی۔ مسلمان مغرب کی روحانی گمراہی کو اپنانے لگے، جو ان کے زوال کا سبب بنا۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے[41]

قیادت کا فقدان

اقبال کے مطابق مسلمان امت کو زوال کا سامنا اس لیے بھی کرنا پڑا کہ ان کے درمیان باکردار اور بصیرت مند قیادت ناپید ہو گئی۔ جب قیادت مفاد پرست، کمزور یا مغرب نواز ہو جائے تو قومیں بکھر جاتی ہیں۔ اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ ایک مومن قائد وہ ہوتا ہے جو قوم کو راستہ دکھائے، قربانی دے، اور عدل قائم کرے۔ بدقسمتی سے، مسلمان حکمرانوں نے عوام کو بیدار کرنے کے بجائے انہیں غفلت میں رکھا۔ اقبال نے کہا کہ "نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے، خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل؟"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیادت میں اگر صرف طاقت ہو مگر روحانیت نہ ہو تو وہ قوم کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ اقبال کے نزدیک قیادت وہی کامیاب ہے جو خودی کی قوت سے مزین ہو، اور امت کو بیداری کی طرف لے جائے۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
میرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہے تو تقدیر ہے تدبیر تری[42]

اتحاد و اتفاق کی کمی

اقبال نے مسلمانوں کی باہمی تفرقہ بازی اور فرقہ واریت کو بھی ان کے زوال کا اہم سبب قرار دیا۔ ایک وقت تھا جب مسلمان ایک ملت کی صورت میں متحد تھے، لیکن بعد میں وہ قوموں، فرقوں اور زبانوں میں بٹ گئے۔ اقبال نے کہا: "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے، نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر"۔ یعنی مسلمان اگر متحد ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔ لیکن جب مسلمان شیعہ، سنی، عرب، عجم، اور برصغیر کے مقامی تعصبات میں بٹ گئے تو ان کی قوت ختم ہو گئی۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان "ملتِ واحدہ" کے تصور پر عمل کریں۔ ان کے نزدیک دین اسلام اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ مگر مسلمانوں نے دین کو چھوڑ کر نسلی اور لسانی بنیادوں پر جھگڑے شروع کر دیے، جس نے انہیں کمزور کر دیا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟[43]

روحانیت سے دوری اور مادہ پرستی

اقبال نے کہا کہ مسلمانوں نے جب روحانیت کو چھوڑ کر صرف دنیاوی مال و دولت کو مقصدِ حیات بنا لیا تو ان کا زوال شروع ہوا۔ وہ قوم جو کبھی عشقِ الٰہی اور قربِ خداوندی کے لیے جانی جاتی تھی، اب دولت، جاہ و منصب کے پیچھے دوڑنے لگی۔ اقبال نے کہا کہ "دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ، کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ"۔ ان کے نزدیک روحانیت وہ طاقت ہے جو انسان کو خودشناسی اور خداشناسی عطا کرتی ہے۔ جب مسلمان اس روحانی تعلق کو کھو بیٹھے تو وہ اندر سے کھوکھلے ہو گئے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان پھر سے سادگی، توکل، عبادت اور قربانی کے راستے کو اپنائیں۔ انہوں نے مادہ پرستی کو انسانیت کی سب سے بڑی بیماری قرار دیا۔ یہی بیماری مسلمانوں کو بھی لگ گئی اور وہ زوال پذیر ہو گئے۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟[44]

جمود اور اجتہاد کا ترک کرنا

اقبال کا ایک اہم نظریہ یہ تھا کہ اسلام ایک زندہ، متحرک اور ترقی پذیر دین ہے، مگر مسلمانوں نے اسے جامد بنا دیا۔ جب تک اجتہاد یعنی غور و فکر اور حالات کے مطابق اسلامی حل تلاش کرنے کی روایت زندہ تھی، مسلمان ترقی کرتے رہے۔ لیکن جب اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، تو تقلید کا دور شروع ہو گیا۔ اقبال نے فرمایا: "زمانہ باطن گیتی کا راز ہے، تقلید سبب ہے جو ہر دین کا مجاز"۔ یعنی تقلید دین کی اصل روح کو زائل کر دیتی ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان قرآنی اصولوں کی روشنی میں جدید چیلنجز کا جواب دیں۔ مگر جب علماء اور دانشوروں نے اجتہاد چھوڑ کر پرانے فتوؤں پر اکتفا کیا، تو اسلام کی عملی قوت کمزور پڑ گئی۔ یہی فکری جمود مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا[45]

اخلاقی زوال

اقبال کے مطابق مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ ان کی اخلاقی گراوٹ ہے۔ جب مسلمان کردار کے بلند معیار پر تھے، وہ دنیا کی قیادت کے اہل تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ جھوٹ، دھوکہ، خود غرضی، بے ایمانی اور دنیا پرستی ان میں عام ہو گئی۔ اقبال نے کہا کہ ایک مسلمان کی پہچان اس کے کردار سے ہوتی ہے، نہ کہ صرف ظاہری عبادات سے۔ ان کے نزدیک ایمان، صداقت، امانت، عدل اور رحم دلی مسلمانوں کی اصل شان تھی۔ لیکن جب یہ اوصاف ختم ہو گئے تو مسلمان دنیا میں بے وزن ہو گئے۔ اقبال نے فرمایا: "اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی، نہ ہو عشق تو مسلمان بھی کافر و زندیق"۔ یعنی اخلاق و عشق کے بغیر محض نام کا مسلمان رہ جانا، حقیقی اسلام سے دوری ہے۔ یہی اخلاقی زوال امت کی تباہی کا باعث بنا۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں[46]

اسلامی شعور کی کمی

اقبال سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے دین کو فقط عبادات کا مجموعہ سمجھ لیا ہے، جب کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلامی شعور کا مطلب ہے کہ ایک فرد قرآن و سنت کے پیغام کو پوری طرح سمجھے اور اس پر شعوری طور پر عمل کرے۔ لیکن اکثر مسلمان دین کو وراثت میں ملے ہوئے رسوم کی صورت میں اپناتے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں قرآن سے تعلق کو از سر نو قائم کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا: "تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو، کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں"۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان قرآن کو سمجھ کر پڑھیں، اس کی روشنی میں زندگی گزاریں۔ اسلامی شعور کے بغیر نہ دینی بیداری ممکن ہے نہ معاشرتی اصلاح۔ شعور کی کمی نے امت کو اندھوں کے ہجوم میں بدل دیا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں، جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود[47]

بیداریِ فکر کی کمی

اقبال کے نزدیک مسلمانوں نے جب غور و فکر کرنا چھوڑ دیا تو ان کا زوال شروع ہوا۔ قرآن بار بار "افلایتدبرون؟" اور "افلا یعقلون؟" جیسے الفاظ کے ذریعے تدبر و تفکر پر زور دیتا ہے۔ مگر مسلمان اس فکری سفر کو ترک کر بیٹھے۔ اقبال نے کہا کہ جب تک سوچنے، سمجھنے اور سوال کرنے کی صلاحیت زندہ نہ ہو، انسان زندہ نہیں ہوتا۔ وہ نئی منزلوں کی تلاش اور مسلسل جستجو کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان جامد نہ ہوں، بلکہ دنیا کو نئے زاویوں سے دیکھیں، نئے سوالات اٹھائیں، اور نئی راہیں نکالیں۔ جب فکر کی موت واقع ہو جائے تو قومیں ماضی میں جینے لگتی ہیں، اور ترقی ان سے دور ہو جاتی ہے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی[48]

اقتصادی پسماندگی

اقبال نے مسلمانوں کی معاشی بدحالی کو بھی ان کے زوال کا سبب گردانا۔ جب قومیں اقتصادی طور پر کمزور ہو جائیں تو وہ دوسروں کی محتاج بن جاتی ہیں۔ اقبال کے دور میں مسلمان زیادہ تر غلامی، غربت اور بے روزگاری کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ "فقر" وہ ہو جو غیرت و خودداری سکھائے، نہ کہ وہ جو ہاتھ پھیلانا سکھائے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان محنت کریں، تجارت، زراعت، صنعت اور جدید معیشت میں اپنا کردار ادا کریں۔ انہوں نے اقتصادی خود کفالت کو سیاسی آزادی سے جوڑا۔ ان کے نزدیک ایک بھوکی قوم نہ قیادت کر سکتی ہے، نہ خوددار رہ سکتی ہے۔ اقتصادی غلامی، سیاسی اور فکری غلامی کو جنم دیتی ہے، اور یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ اقبال کا پیغام تھا: "محنت سے بنتی ہے تقدیر انسان کی"۔

امراء نشہ، دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے[49]

OPEN ACCESS

CC BY

اسلامی وحدت کا ٹوٹنا

اقبال نے مسلمانوں کے زوال کی ایک بہت اہم وجہ یہ بیان کی کہ انہوں نے امت واحدہ کے تصور کو فراموش کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد مسلمان قوموں، ریاستوں، نسلوں اور زبانوں میں بٹ گئے۔ اقبال کی نگاہ میں اسلام کی اصل روح یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوں۔ انہوں نے "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے" جیسے اشعار کے ذریعے اسلامی وحدت کا پیغام دیا۔ مگر مسلمانوں نے قوم پرستی، وطن پرستی اور نسلی تعصب کو اسلام پر ترجیح دینا شروع کر دیا۔ اقبال کا ماننا تھا کہ یہ تفرقہ بازی دشمنانِ اسلام کی چال ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان کمزور ہو گئے۔ اسلامی وحدت اگر برقرار رہتی، تو مسلمان آج بھی ایک بڑی عالمی قوت ہوتے۔ یہی وحدت امت کی طاقت تھی، اور اس کے ٹوٹنے سے زوال آیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری[50]

نتیجہ

علامہ محمد اقبال کی فکر محض ایک فلسفیانہ یا شاعرانہ تعبیر نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر وژن ہے جو فرد، معاشرہ، امت اور انسانیت کی روحانی، فکری، تہذیبی اور سیاسی احیاء کی نوید ہے۔ ان کے افکار کا اصل جوہر آج کے تیز رفتار، اضطرابی اور انتشار زدہ دور میں مزید اجاگر ہو جاتا ہے، جہاں انسان اپنی شناخت، مقصدِ حیات، روحانی سکون اور اجتماعی وحدت کے بحران سے دوچار ہے۔ اقبال کی فکر کا محور خودی ہے۔ خودی کا تصور آج کے انسان کے لیے نہایت اہم ہے کیونکہ موجودہ دور کا انسان مادیت، صارفیت، اور تکنیکی ترقی کے ہاتھوں اپنی اصل پہچان کھو بیٹھا ہے۔ خودی اقبال کے نزدیک خدا سے قرب کا ذریعہ ہے، اور یہی قرب بندے کو تخلیقی قوت، وجدان اور عزتِ نفس عطا کرتا ہے۔ آج کا نوجوان، جو سوشل میڈیا، غیر یقینی معاشی حالات اور تہذیبی کشمکش میں مبتلا ہے، اقبال کے پیغام خودی میں اپنے وجود کا اثبات پا سکتا ہے۔

اقبال کی فکر انسان کو حرکت، عمل اور جدوجہد کا درس دیتی ہے۔ ان کے ہاں "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" جیسا تصور ہمیں جمود سے نکال کر حرکت کی طرف لے جاتا ہے۔ آج جب مسلم دنیا میں بے عملی، مایوسی اور غلامی کا احساس غالب ہے، اقبال کی فکر ہمیں یاد دلاتی ہے کہ تقدیر کا فیصلہ تلوار سے نہیں بلکہ خودی سے ہوتا ہے۔ اقبال نے جس ملتِ اسلامیہ کا تصور دیا، وہ کسی جغرافیائی وحدت پر مبنی نہیں بلکہ روحانی و اخلاقی اقدار کی بنیاد پر قائم ہے۔ عصرِ حاضر میں جب مسلم امہ نسلی، لسانی، اور فرقہ وارانہ تقسیم کا شکار ہے، اقبال کی وحدتِ امت کا پیغام ازحد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ان کی نگاہ میں اسلام کا اصل پیغام انسانیت، مساوات، عدل اور رحمت ہے۔ وہی اقدار جو آج عالمی سطح پر مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔ اقبال کا تصور اجتہاد آج کے مسلم اسکالرز اور دانشوروں کے لیے راہِ عمل ہے۔ وہ جامد تقلید کے سخت ناقد تھے اور دین کو ایک زندہ، حرکت پذیر اور عقل کی روشنی میں قابلِ فہم شے سمجھتے تھے۔ آج کے چیلنجز جیسے کہ بایوٹیکنالوجی، آرٹیفیشل انٹیلیجنس، ماحولیاتی بحران، اور معاشی نظام کی پیچیدگیاں، فقہ و شریعت میں اجتہاد کا نیا باب کھولنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ جس کے لیے اقبال کی فکر بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اقبال کی شاعری میں روحانیت اور سائنس کے مابین ایک حسین توازن نظر آتا ہے۔ وہ دین و سائنس کو متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون سمجھتے ہیں۔ آج کے نوجوان، جو سائنسی ترقی کے زیرِ اثر مذہب سے دوری اختیار کر رہے ہیں، اقبال کی فکر میں سائنس اور ایمان کے امتزاج سے روحانی سکون اور عقلی تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔

اقبال نے مغرب کی تقلید کو تنقید کا نشانہ بنایا، لیکن مغرب کی سائنسی ترقی، تعلیمی نظم و نسق اور جمہوریت کے مثبت پہلوؤں کو سراہا بھی۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مغربی ثقافت کی ظاہری چمک سے مرعوب ہونے کے بجائے، اس کے داخلی فکری زوال کو سمجھنا چاہیے۔ آج کی گلوبلائزڈ دنیا میں جہاں مغربی اقدار کا غلبہ ہے، اقبال کی فکر ہمیں اپنی تہذیبی خودی کو برقرار رکھتے ہوئے جدید دنیا سے ہم آہنگ ہونے کی تلقین کرتی ہے۔

اقبال کی تعلیمات آج کے تعلیمی نظام کے لیے بھی مشعل راہ ہیں۔ وہ ایسے نظامِ تعلیم کے داعی تھے جو فکر و نظر کو وسیع کرے، تخلیقی سوچ کو پروان چڑھائے اور روحانی اقدار سے ہم آہنگ ہو۔ بدقسمتی سے موجودہ تعلیم نظامِ امتحان کی قید میں ہے، جس میں کردار سازی اور فکری تربیت کا فقدان ہے۔ ایسے میں اقبال کا تصورِ تعلیم ایک مکمل وژن فراہم کرتا ہے۔ ان کی نگاہ میں شخصیت سازی کا عمل مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ فرد کو قوم کی تقدیر سمجھتے تھے اور تربیتِ فرد کو ریاست و معاشرے کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ آج کے دور میں جب نوجوان تشخص کے بحران کا شکار ہیں، اقبال کی شخصیت سازی کی فکر ان کے لیے مینارۂ نور بن سکتی ہے۔

اقبال نے سیاسی آزادی سے زیادہ فکری آزادی پر زور دیا۔ ان کے نزدیک اصل غلامی ذہنی غلامی ہے۔ آج کے نوآبادیاتی ورثے، میڈیا کنٹرول اور معلوماتی استعمار کے دور میں ہمیں اقبال کے اس پیغام کی شدید ضرورت ہے تاکہ ہم آزاد ذہن کے ساتھ اپنی پالیسیاں اور ترجیحات طے کر سکیں۔ اقبال کا پیغام عالمی انسانیت کا بھی ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے شاعر نہیں بلکہ تمام انسانوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کی نظم "انسان" "ہویا" "تفصیلِ بندگی"، ہر جگہ انسانیت کے لیے درد جھلکتا ہے۔ آج جب دنیا نسلی امتیاز، مہاجرت، اور معاشی ناہمواریوں سے نبرد آزما ہے، اقبال کی انسانیت دوستی کی فکر وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ آخر میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اقبال کی فکر کسی مخصوص دور، قوم یا جغرافیہ کے لیے محدود نہیں، بلکہ یہ ایک آفاقی پیغام ہے۔ جو ہر دور، ہر فرد، اور ہر قوم کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ ان کی شاعری میں درد بھی ہے، دوا بھی؛ سوال بھی ہے، جواب بھی؛ مایوسی کا تجزیہ بھی ہے اور امید کی شمع بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال آج بھی زندہ ہیں ۔ ہمارے دلوں میں، ہمارے سوالوں میں، اور ہمارے ممکنات کے خوابوں میں۔

سفارشات

CC BY

اس مقالے کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

- اسکول، کالج اور یونیورسٹی سطح پر اقبال کے افکار کو نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔
- اقبال کے تصورِ خودی کو طلبہ کی کردار سازی میں بنیادی عنصر کے طور پر اپنایا جائے۔
- اجتہاد کے اصولوں کو جدید علمی، فقہی اور سماجی مسائل پر لاگو کیا جائے۔
- اقبال کی فکر پر تحقیقی منصوبے، تھیسس اور ڈاکٹریٹ سطح کے مقالے تیار کیے جائیں۔
- نوجوانوں کو تقلید کے بجائے تخلیقی اور تنقیدی سوچ کی طرف راغب کیا جائے۔
- مدارس، اور دینی اداروں میں فکرِ اقبال کے حوالے سے مکالماتی نشستیں ہوں۔
- میڈیا کے ذریعے اقبال کے افکار کو عام فہم انداز میں نشر کیا جائے۔
- قومی اور بین الاقوامی سطح پر "اقبال کانفرنسز" منعقد کی جائیں۔
- اقبال کے کلام کی تشریح جدید زبان اور طریقوں سے کی جائے تاکہ نوجوان سمجھ سکیں۔
- خودی، عشق، فقر اور شہادت جیسے تصورات پر علما اور دانشور مباحث کا اہتمام کریں۔
- تعلیمی اداروں میں "یومِ اقبال" کو فکری محفل کے طور پر منایا جائے، صرف تعطیل نہ ہو۔
- نصاب میں علامہ اقبال کے سوانحی پہلو کے ساتھ ان کے فکری پہلو پر بھی توجہ دی جائے۔
- اقبال کے تصورِ ملت کو نسلی و فرقہ وارانہ تعصبات کے خاتمے کے لیے استعمال کیا جائے۔
- تعلیمی اداروں میں اخلاقی تربیت کے لیے اقبال کے اشعار کو بنیاد بنایا جائے۔
- اقبال کی فکر پر مبنی ڈرامے، فلمیں اور ڈاکیومینٹریز بنائی جائیں۔
- اقبال کی شاعری میں بیان کردہ سیرتِ نبوی کو نئی نسل کے لیے قابلِ فہم انداز میں پیش کیا جائے۔
- اقبال کی فکر پر مبنی لائبریریوں اور ریسرچ سنٹرز قائم کیے جائیں۔
- اقبال کے تصورِ عشق کو تقلیدی محبت کے بجائے تخلیقی قوت کے طور پر سمجھایا جائے۔
- اقبال کے اشعار میں چھپی نفسیاتی اور فلسفیانہ گہرائی کو تعلیمی میدان میں متعارف کرایا جائے۔
- اقبال کی فکر کو مذہب و سائنس کی تطبیق کے لیے بنیاد بنایا جائے۔
- مختلف زبانوں میں اقبال کا پیغام ترجمہ کر کے عالمی سطح پر پھیلایا جائے۔
- اقبال کو ماضی کا شاعر نہ بتایا جائے بلکہ مستقبل کا رہنما تسلیم کیا جائے۔
- نوجوانوں کو عملی زندگی میں اقبال کے کردار سازی کے اصولوں پر عمل کی ترغیب دی جائے۔
- پاکستانی معاشرے میں عدل، مساوات اور فلاحی ریاست کے قیام کے لیے اقبال کے اصول اپنائے جائیں۔
- فکرِ اقبال کو محض تقریروں کا موضوع نہ بنایا جائے، بلکہ عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔

مصادر مراجع

۱۔ محمد اقبال، **کلیات اقبال**(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز، 1973ء)

۲۔ جاوید اقبال، **زندہ رود**(لاہور،: سنگ میل پبلیکیشنز،2004ء)

۳۔ محمد اقبال، **شکوہ جواب شکوہ** (لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)

۴۔ ابو الحسن ندوی، **اسلامی تہذیب و ثقافت** (اسلام آباد: دعوت اکیڈمی، اگست 2014ء)

۵۔ خلیفہ عبدالحکیم، **فکر اقبال**(لاہور،: بزم اقبال،1988ء)

۶۔ افتخار احمد صدیقی، **عروج اقبال** (لاہور،: مجلس ترقی ادب،2016ء)

۷۔ بشیر احمد ڈار، **انوار اقبال** (لاہور: اقبال اکیڈمی، 1977ء)

۸۔ محمد رفیق افضل، **گفتار اقبال**(لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، 1969ء)

۹۔ غلام رسول، **اقبالیات**(لاہور: مہر سنز، 1988ء)

CC BY

۱۰۔عطااللہ (مرتب)،**اقبال نامہ** (لاہور:تاجر کتب کشمیری بازار1944ء)

۱۱۔اصغر عباس،**سرسید اقبال اور علی گڑھ** (**علی گڑھ** :ایجو کیشنل بک ہاؤس،1987ء)

۱۲۔محمد اکرم،**معارف اقبال**(لاہور:شعبہ اقبالیات،پنجاب یونیورسٹی،2006ء)

۱۳۔جگن ناتھ آزاد،**اقبال اور مغربی مفکرین** (لاہور:مکتبہ عالیہ،س ن)

۱۴۔محمد عبداللہ ،**اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت** (لاہور:پنجاب یونیورسٹی،1981ء)

۱۵۔نذیر نیازی،**مکتوبات اقبال**(کراچی:اقبال اکادمی پاکستان،1957ء)

۱۶۔ابوالحسن علی ندوی،**انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج اور زوال کا اثر** (کراچی : مجلس نشریات اسلام،1967ء)

۱۷۔این میری شمل،محمد ریاض(مترجم)،**شہپر جبریل**(لاہور:گلوب پبلشرز،1987ء)

۱۸۔محمد سلیم،**مغربی تہذیب کی مخالفت کیوں؟** (لاہور:ادارہ تعلیم و تحقیق،1991ء)

۱۹۔عبدالحمید صدیقی(مترجم)،**لارڈ میکالے کا نظام تعلیم** (لاہور:احباب پبلیکیشنز،1979ء)

حوالہ جات

---

[1] محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور، شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)، ص:۲۷۴

[2] جاوید اقبال،زندہ رود،(لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز،2004ء)

[3] محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور،زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۳۷

[4] شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۳۷

[5] جاوید اقبال،زندہ رود،(لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز،2004ء)

[6] جاوید اقبال،زندہ رود،(لاہور،:سنگ میل پبلیکیشنز،2004ء)

[7] ابوالحسن ندوی،اسلامی تہذیب وثقافت،(اسلام آباد:عوت اکیڈمی،اگست2014ء)

[8] اسلامی تہذیب و ثقافت،(اسلام آباد:عوت اکیڈمی،اگست2014ء)

[9] خلیفہ عبدالحکیم ،فکر اقبال،(لاہور:بزم اقبال،1988ء) ،ص:20

[10] افتخار احمد صدیقی، عروج اقبال،(لاہور، مجلس ترقی ادب،2016ء)، ص:۳۵۹

[11] محمد رفیق افضل،گفتار اقبال، (لاہور:دانش گاہ پنجاب1969ء) ،ص:۲۱۱

[12] محمد اقبال،کلیات اقبال، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)، ص:۴۔۵

[13] بشیر احمد ڈار،انوار اقبال،(لاہور:اقبال اکیڈمی،1977ء) ،ص:۴۲

[14] محمد رفیق افضل،گفتار اقبال،(لاہور:ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب،1969ء) ،ص :۱۷۲۔۱۷۳

[15] محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء) ، ص:۳۹۹۔۴۰۰

[16] غلام رسول،اقبالیات،(لاہور:مہر سنز،1988ء) ،ص:۶۴

[17] محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء) ،ص:۲۶۶

[18] کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء) ،ص:۳۵۲

[19] نفس مصدر،ص۳۹۲۔۳۹۳

[20] محمد سلیم،مغربی تہذیب کی مخالفت کیوں؟،(لاہور:ادارہ تعلیم و تحقیق،1991ء) ،ص: ۳۲

CC BY

[21]عبدالحمید صدیقی (مترجم)،لارڈ میکالے کا نظام تعلیم،(لاہور:احباب پبلیکیشنز،1979ء)، ص:۵۳

[22]محمد سلیم، مغربی تہذیب کی مخالفت کیوں؟،(لاہور:ادارہ تعلیم و تحقیق،1991ء) ،ص: ۱۶

[23]محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)، ص:۲۶۱

[24]نذیر نیازی،مکتوبات اقبال،(کراچی:اقبال اکادمی پاکستان،1957ء)، ص:101

[25]ابوالحسن علی ندوی،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج اور زوال کا اثر،(کراچی: مجلس نشریات اسلام،1967ء) ،ص:۳۱۸

[26]این میری شمل، محمد ریاض(مترجم)،شہپر جبرئیل، (لاہور:گلوب پبلشرز،1987ء) ،ص۳۸۸۔۳۸۹

[27]عطاالله (مرتب)،اقبال نامہ،(لاہور: تاجر کتب کشمیری بازار،1944ء) ،ص:۳۹۸

[28] اقبال نامہ،(لاہور: تاجر کتب کشمیری بازار،1944ء) ،ص:۱۳۹

[29]اصغر عباس، سرسید اقبال اور علی گڑھ، (علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،1987ء) ،ص:۵۰

[30]محمد اکرم،دائرہ معارف اقبال، (لاہور:شعبہ اقبالیات،پنجاب یونیورسٹی،2006ء)،ص:۱۲۹

[31]جگن ناتھ آزاد،اقبال اور مغربی مفکرین،(لاہور:مکتبہ عالیہ،س ن)،ص:۳۴

[32]محمد عبداللہ،اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت،(لاہور:پنجاب یونیورسٹی،1981ء)،ص:۱۰

[33]محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)ِ ص:۱۴۱

[34]محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص:۳۶۱

[35] کلیات اقبال،(لاہور:غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص:۵۳۳

[36]نفس مصدر، ص ۵۳۳

[37]محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص:۵۳۱

[38]کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص:۱۲۲

[39]محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص: ۲۴۸

[40]محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۵

[41]شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۹

[42]محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۳۹

[43]شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۷

[44]محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۷

[45]شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۳۳

[46]محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۸

[47]شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۹

[48]محمد اقبال، شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۹

OPEN ACCESS

CC BY

[49] شکوہ جواب شکوہ،(لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز، 2001ء)، ص:۲۸

[50] محمد اقبال،کلیات اقبال،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز،1973 ء)،ص:۵۳۳

CC BY